۲۲ مارچ ۱۹۷۲ء

رجسٹرڈ نمبر — L.922
فون نمبر — 29

ہفتہ وار
ہماری زبان

ایڈیٹر
آل احمد سرور

قیمت سالانہ چھ روپے
قیمت فی کاپی بیس پیسے

اشاعت کی تاریخیں
۱ ، ۸ ، ۱۵ ، ۲۲

جلد ۳۱ | انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) | شمارہ ۱۲

اداریہ

کتابوں کی باتیں

اس وقت نئی کتابوں پر تبصرہ کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ اردو میں کتابوں کی طباعت و اشاعت کے سلسلے میں کچھ عرض کرنا ہے۔ اردو میں نئی کتابوں کی طباعت و اشاعت کی رفتار تسلی بخش نہیں ہے۔ دلی میں ۱۸ مارچ سے ایک عالمی کتابی میلہ شروع ہوا ہے جو ۲ اپریل تک جاری رہے گا۔ اس موقع پر جو کتابوں کی نمائش ہو رہی ہے اس میں تمام زبانوں کے ادب کی نمائندگی ہے۔ اردو کی کتابیں بھی نمائش میں ہیں۔ اسٹیٹسمین دہلی نے ۱۹ مارچ کے شمارے میں اس سلسلے میں کئی مضامین بھی شائع کئے ہیں۔ ایک مضمون میں چار سال کی طباعت کی رفتار کا اندازہ لگانے کے لئے ایک نقشہ پیش کیا گیا ہے، ہم ہماری زبان کے پڑھنے والوں کی عبرت کے لئے یہ نقشہ یہاں درج کر رہے ہیں۔ اس میں درسی کتابوں کو خارج کر دیا گیا ہے۔ اعداد و شمار نیشنل لائبریری کلکتہ نے فراہم کئے ہیں۔

زبان ، سال	۱۹۶۵-۶۶	۶۶-۶۷	۶۷-۶۸	۶۸-۶۹
آسامی۔	۵۴	۱۱۸	۱۲۵	۵۱۰
بنگالی۔	۱۴۲۲	۱۱۳۷	۱۲۸۴	۱۶۵۴
انگریزی۔	۴۳۴۷	۹۶۴۵	۹۱۴۰	۹۳۸۴
گجراتی۔	۹۲۲	۱۰۴۹	۸۸۳	۱۲۶۷
کنڑ۔	۲۴۶	۳۸۰	۴۸۲	۱۰۹۰
کشمیری۔	۱۰	—	—	۷
ملیالم۔	۵۷۳	۵۸۹	۵۸۰	۸۹۹
مراٹھی۔	۱۶۲۳	۱۸۸۵	۱۶۱۵	۱۳۲۶
اڑیا۔	۱۲۰	۴۲۵	۲۳۳	۵۷۸
پنجابی۔	۱۶۷	۱۳۲	۵۰۴	۴۶۵
سنسکرت۔	۲۰۷	۱۱۳	۹۳	۲۶۱
سندھی۔	—	—	۴۶	۲۹
تمل۔	۹۴۶	۶۶۱	۶۴۳	۹۲۸
تلیگو۔	۵۱۸	۵۳۸	۷۲۲	۱۱۰۸
اردو۔	۳۷۲	۲۳۷	۳۳۱	۴۸۰
دوسری زبانیں	۲۸۷	۱۸۵	۴۹	۲۱
کل	۲۰,۱۸۵	۱۹۹۸۰	۱۹,۸۲۷	۲۰۹۷۸

یہ اعداد و شمار مکمل نہیں کہے جا سکتے کیونکہ ہمیں علم ہے کہ بہت سے ناشر کتاب کے دو نسخے نیشنل لائبریری کو نہیں بھیجتے حالانکہ قانون کے مطابق انھیں ایسا کرنا چاہیے۔ چونکہ اس قانون کی خلاف ورزی کی سزا برائے نام ہے اس لئے لوگ اس شرط کی پروا نہیں کرتے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ ایسے اللہ والے لوگ بھی ہوں جنھیں اس قانون کی خبر نہ ہو۔ بہر حال یہ اعداد مکمل نہ ہوتے ہوئے بھی صورت حال کا ایک نقشہ پیش کرتے ہیں، جو ہماری عبرت کے لئے کافی ہے۔

اردو یقیناً ہندوستان کی بڑی زبانوں میں سے۔ اس کا ادب نہایت شاندار ہے۔ لیکن اردو میں نئی کتابوں کی طباعت کی رفتار ہر لحاظ سے ناقابل اطمینان ہے۔ بنگالی، ہندی، گجراتی

کنڑ، ملیالم، مراٹھی، تمل، تیلگو کی بات چھوڑیئے اردو سے زیادہ کتابیں تو آسامی، اڑیا میں چھپی ہیں اور پنجابی کی کتابوں کی تعداد اردو سے کچھ ہی کم ہے۔ کیا اردو والے اتنے گئے گزرے ہیں۔

قانون قیاس (LAW OF PROBABLITY) کے مطابق یہ تسلیم کئے لیتے ہیں کہ ۱۹۷۶ء میں اردو میں بجائے ۸۰۰ کے ۵۰۰ کتابیں چھپی ہوں گی، پھر بھی یہ تعداد دوسری زبانوں کو دیکھتے ہوئے بہت کم ہے۔ اس سے کام نہیں چلتا کہ دوسری زبانوں کے پیچھے ریاستی حکومتیں ہیں، وہ کتابوں کی طباعت پر لاکھوں روپے خرچ کرتی ہیں۔ اردو کے پاس کوئی ریاست نہیں ہے۔ اردو بہر حال ایک کل ہند زبان ہے۔ ہر ریاست میں اس کے بولنے والے مل جائیں گے اور اردو بولنے والوں کی تعداد تین کروڑ سے کسی طرح کم نہ ہوگی۔ پھر بھی اردو کی کتابیں سال بھر میں پانچ سو سے زیادہ نہیں چھپ پاتیں۔

اس کی سب سے بڑی وجہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اردو والے اب تک کتابیں خریدنے کے عادی نہیں ہوئے۔ نہ ہر پڑھے لکھے آدمی نے اس طرف توجہ کی کہ ہر شخص کو اپنی ایک ذاتی لائبریری بھی بنانی چاہیے۔ اب یہ اس کی بساط پر منحصر ہے کہ اس میں سو کتابیں ہوں یا ہزار۔ بنگالیوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہاں لڑکیوں کی شادی کے موقع پر ٹیگور اور دوسرے بڑے شاعروں اور ادیبوں کی تصانیف تحفے میں دینے کا رواج ہے۔ اردو والے تعیش کے سامان پر زیادہ زور دیتے رہے ہیں۔ دوسری زبانوں کے لوگ کتاب خرید کر پڑھتے ہیں۔ ہمارے یہاں مفت کتاب پڑھنے یا دوسروں سے رسالے مانگ کر پڑھنے کا رواج ہے۔ لوگ سینما پر، سیر تفریح پر، دعوتوں پر، مہمانداری پر سیکڑوں روپے خرچ کر دیں گے، اردو کی کتاب پر دس روپے صرف کرتے ان کا ہاتھ رک جائے گا۔ اس معاملے میں وہ لوگ جو انگریزی جانتے ہیں کسی سے کم نہیں، انگریزی کی پچیس روپے کی کتاب بڑے فخر سے خریدیں گے اور اٹھتے بیٹھتے اس کا چرچا کریں گے۔ مگر پانچ روپیہ کی اردو کی کتاب نہیں خریدیں گے۔ مثل مشہور ہے کہ خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے۔ اردو دوست اگر کتابیں خریدنے کی عادت نہ ڈالیں گے تو نئی کتابیں کون چھاپے گا اور کون انھیں بازار میں لائے گا۔ مانا کہ حکومت علمی کتابوں کے چھاپنے کے لئے مدد کر سکتی ہے اور تھوڑی بہت کر بھی رہی ہے، مگر اوس سے کہیں پیاس بجھ سکتی ہے۔ اردو دوستوں کو اگر اپنی زبان سے اور اپنے ادب سے واقعی محبت ہے تو وہ اور کچھ کریں یا نہ کریں اردو کی کتابیں خریدنے اور اردو کے اچھے رسالوں کا خریدار بننے کی عادت ڈال لیں، پھر یہ دن نہ دیکھنا پڑے گا کہ چھوٹی چھوٹی علاقائی زبانیں اردو جیسی کل ہند زبان سے زیادہ کتابیں شائع کریں اور ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں۔

انجمن ترقی اردو، راجستھان کے جنرل سکریٹری کا انتقال

اردو دوستوں اور انجمن ترقی اردو کے حلقوں میں یہ معلوم ہو کر بڑا دکھ ہوگا کہ ریاستی انجمن ترقی اردو، راجستھان کے جنرل سکریٹری جناب افتخار علی شمیم کا اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے ۲۴ر فروری کو جے پور میں انتقال ہو گیا۔

مرحوم اردو کے مخلص خدمت گذاروں میں تھے اور زبان و ادب کا نکھرا ہوا مذاق رکھتے تھے۔ راجستھان ریاستی شاخ کے سابق جنرل سکریٹری الحاج مولوی احترام الدین شاغل کی زندگی میں ہی مرحوم نے انجمن کا بہت کچھ کام سنبھال رکھا تھا۔ شاغل صاحب کی وفات کے بعد ۲۳ر فروری ۱۹۷۶ء کو انھوں نے ریاستی انجمن کا باقاعدہ چارج لیا اور ٹھیک ایک سال بعد ۲۴ر فروری ۱۹۷۷ء کو راہی عالم بقا ہو گئے۔

ادارہ مرحوم کی اچانک موت پر رنج و ملال کے ساتھ ان کے متعلقین سے اظہار ہمدردی کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جوار رحمت میں جگہ دے اور راجستھان کی شاخ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین! • ادارہ

مہاتما گاندھی میموریل لیکچرس

اردو اور ہندی کو قریب لانا اور گاندھی جی کے نظریہ ہندوستانی کو عام کرنا مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سنٹر کا خاص مقصد ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے سنٹر کی طرف سے متعدد پروجیکٹوں پر کام ہو رہے ہیں جن میں ایک "مہاتما گاندھی میموریل لیکچرس" کا سلسلہ بھی ہے اس سال ملک کے مشہور مفکر اور ماہر تعلیم ڈاکٹر سی۔ ڈی۔ دیشمکھ کو ان لیکچرس میں حصہ لینے کی دعوت دی گئی اور انھوں نے بخوشی سنٹر کی اس دعوت کو قبول فرما لیا ہے وہ "ہندوستانی۔ قومی زبان یا عوامی زبان؟" کے عنوان پر ۲۳، ۲۴ اور ۲۵ر مارچ سنہ ۱۹۷۷ء کو شام ۶ بجے ریسرچ سنٹر میں عوام سے خطاب فرمائیں گے۔ پہلے دن جلسہ کی صدارت کا فریضہ گورنر بہار، آنریبل عزت مآب ڈاکٹر علی یاور جنگ انجام دیں گے۔ • ڈاکٹر عبد الستار دلوی

"ہماری زبان"

کو مضامین و مراسلات ارسال کرتے وقت یہ ملحوظ رہے کہ وہ کاغذ کے ایک طرف لکھے ہوں۔ • ادارہ

سید منظور الحسن برکاتی

مولانا غلام رسول مہر اور ٹونک

بعض شخصیتیں اپنی گوناں گوں خصوصیات اور عظمت کے اعتبار سے ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی حیات و ممات کے درمیان حدِ فاصل نہیں کھینچا جاسکتا، وہ مرنے کے بعد بھی اپنی حیات کے زمانہ کی طرح زندہ رہتی ہیں، اُن کی موت بھی۔ ان کی زندگی کی طرح نام آور ہوتی ہے۔ وہ مر کر بھی ایسی زندگی حاصل کرتی ہیں جو فنا ہونے کے بجائے بقائے دوام کا درجہ حاصل کرلیتی ہیں۔ در اصل ایسی عہد آفریں اور عظیم شخصیتیں اپنے خاکی وجود کے سہارے زندہ نہیں رہتی ہیں بلکہ وہ اپنے علمی کارناموں، ادبی کاوشوں اور تاریخی و تحقیقی شاہکاروں کی بدولت زندہ و پائندہ رہتی ہیں۔ زمانہ کے روز و شب میں وہ کبھی مہر بن کر چمکتی ہیں تو کبھی ماہ بن کر جگمگاتی ہیں۔

مولانا غلام رسول مہر بھی ایک ایسی ہی شخصیت کے مالک تھے، وہ اردو علم و ادب کے آسمان پر مہرِ درخشاں اور ماہِ تاباں بن کر چمکے اور تاریخ و ادب کے میدانوں میں اپنے علم و تحقیق کی بصیرت افروز کرنوں کو بکھیرتے رہے۔ ان کے سیکڑوں علمی ادبی تاریخی مقالے اور متعدد کتابیں ان کے علمی کمالات کی ایسی روشن قندیلیں ہیں جن کی جگمگاہٹ ایوانِ ادب و تاریخ کو ہمیشہ منور رکھے گی۔

پاکستان کے گہوارۂ ادب لاہور میں مولانا مہر کی زندگی کا آفتاب اگرچہ لبِ بام آکر عمر کی ۷۶ منزلیں طے کرکے ۱۶ر نومبر ۱۹۷۱ء کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا لیکن ان کی علمی، ادبی کاوشوں اور ان کی تاریخی و تحقیقی تخلیقات کا آفتاب تا ابد تاباں و درخشاں رہے گا اور علم کے جویا اور شیدا ان کی تخلیقات و تصنیفات میں ان کے افکار کی ضوفشانیاں دیکھتے اور ان سے مستفید و مستنیر ہوتے رہیں گے۔

مولانا مہر جہاں اردو کے بلند پایہ انشا پرداز، مستند ناقد اور مایۂ ناز صحافی تھے وہاں وہ تاریخ و تحقیق کے میدان کے بھی شہسوار تھے۔ ان کی جودتِ فکر نے ادب و تاریخ دونوں ہی کو سیراب کیا ہے۔ ان کی تحریر و تقریر کو "مستند ہے میرا فرمایا ہوا" کا درجہ حاصل ہے۔ اسی مشہور تاریخی تحریک کی معلومات و تحقیق سے جو مجاہد اعظم حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے منسوب ہے۔ مولانا مہر کو بطورِ خاص دلچسپی تھی، اس پر انھوں نے بڑا ہی محققانہ کام کیا ہے۔ اس موضوع پر انھوں نے جو بلند پایہ تصنیفات پیش کی ہیں اُن سے مہر کی محققانہ ژرف نگاہی اور سید صاحبؒ اور ان کی تحریک سے نسبت و تعلق کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ بہیں سالہ تحقیق و جستجو کا یہ ایک ایسا تاریخی شاہکار ہے جس کی مثال اردو تاریخ میں مشکل ہی سے ملے گی۔

حضرت سید احمد شہیدؒ کی عظیم شخصیت، ان کی پاک زندگی، ان کی تحریک کا جائزہ اس کا پس منظر اور اس سے پیدا ہونے والے اثرات، ان کی مجاہدانہ معرکہ آرائیوں نیز ان کے خلفا، متبعین و مریدین اور اُن سے متعلقہ خاندانوں کے احوال و کوائف ہندوستان کی اس وقت کی سیاسی و سماجی اتھل پتھل، تحریک کی ناکامی کے اسباب، الغرض کہ سب ہی پہلوؤں اور گوشوں پر مورخانہ اور محققانہ نقطۂ نظر سے مولانا مہر نے ان تصنیفات میں سیر حاصل بحث کی ہے اور جزدی سے جزدی واقعہ کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ "احمد شہید" اور اس سے متعلق دوسری تصانیف، "جماعت مجاہدین"، "سرگزشت مجاہدین" کی ترتیب و تصنیف کے سلسلہ میں مہر صاحب مرحوم نے ہند و پاک کے ان تمام ہی مرکزوں اور کتب خانوں کو کھنگال ڈالا ہے جہاں جہاں ان سے متعلق مواد اور میٹر ان کی نظر میں کچھ بھی مل سکتا تھا۔

چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا مہر نے سابق ریاست ٹونک کے کتب خانوں کی طرف بھی رجوع کیا۔ ان کتب خانوں سے انھیں بھرپور مدد ملی، اور کافی مواد حاصل ہوا۔ کیونکہ سید صاحب اور ان کی تحریک سے ٹونک کا بڑا قریبی اور خاص تعلق رہا ہے۔ یہاں کے دوسرے فرماں روا نواب وزیر الدولہ بہادر کو سید صاحب سے عقیدت و ارادت ہی نہیں عشق تھا۔ انھوں نے اس تحریک کی درپردہ اعانت کی تھی اور حادثۂ بالاکوٹ کے بعد خصوصی طور پر بقیۃ السیف مجاہدین کی ایک بڑی جماعت کو ٹونک بلا کر بسایا تھا۔ نواب وزیر الدولہ بہادر نے اپنی نگرانی میں سید صاحب کے اعزا، رفقا اور دوسرے مجاہدین کے ایک گروہ کو مقرر کیا تھا کہ وہ سید صاحب اور ان کے رفقا کے حالات اور کارناموں کو کتابی صورت میں ترتیب دے۔ اس جماعت نے اس سلسلہ میں ایک ضخیم دفتر تیار کردیا تھا۔ اس لئے یہاں اس تحریک سے متعلق کافی ذخیرہ موجود تھا۔ مولانا مہر کو سب سے زیادہ مستند اور تاریخی مواد یہاں کے کتب خانوں ہی سے حاصل ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انھیں ٹونک اور ٹونک کے ارباب علم سے بڑا قریبی تعلق پیدا ہوگیا تھا جس کا خود مولانا مہر نے اعتراف کیا ہے۔ پھر ٹونک سے مولانا کا یہ تعلق وقتی نہیں تھا۔ بلکہ ان کی زندگی کے آخری ایام تک باقی رہا۔ مذکورۂ بالا تصنیفات کے شائع ہوجانے کے بعد بھی وہ اس فکر و جستجو میں رہے کہ ٹونک میں سید صاحب کے خاندان یا ان کے خلفا کے جانشینوں کا بھی کھوج لگائیں اور یہ معلومات فراہم کریں کہ ان خاندانوں میں سے کس کس خاندان کے اور کون کون سے افراد اب بھی باقی ہیں اور وہ کس حیثیت و منصب پر فائز ہیں۔

میرے حقیقی ماموں شفاء الملک مولانا حکیم سید ظہیر احمد برکاتی کے جد اعلیٰ غازی دین محمد چشتی حضرت سید احمد شہیدؒ کے اجل خلفا میں سے تھے اور جہادِ بالاکوٹ میں سید صاحب کے ہمراہ معرکۂ جہاد میں شریک

رہے تھے۔ سید صاحب کو ان پر بڑا اعتماد تھا، واقعۂ بالاکوٹ کے بعد مجاہدین کی جماعت نے ان کو اپنا امیر منتخب کرکے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔ ان کی خدمات اور حالات پر اگرچہ مولانا مہر نے "سرگزشت مجاہدین" میں مستقل عنوان کے تحت کافی تفصیل سے لکھا تھا لیکن یہ سب حالات و واقعات زمانۂ جہاد سے متعلق تھے حادثۂ بالاکوٹ کے بعد، ریاست ٹونک میں ان کے ورود کے بعد کے حالات کا مولانا کو علم نہ تھا۔ وہ اس کے جویا اور متلاشی تھے۔ اسی زمانہ میں (جس کی تفصیل آگے آئے گی) میرا ان کا غائبانہ تعارف ہوا اور سلسلۂ خط و کتابت کی ابتدا ہوئی۔ میں نے ان کے استصواب پر اس بارے میں انھیں معلومات فراہم کیں اور ساتھ ہی سید صاحب کے ان دوسرے دو خلفاء اور ان کی اولاد و احفاد سے بھی واقف کرایا جو غازی ولی محمد پھلتی کے ساتھ ٹونک تشریف لائے تھے۔ یہ تینوں بزرگ، غازی ولی محمد پھلتی، مولانا خیرالدین شیرکوٹی اور حافظ وجیہ الدین پانی پتی، ٹونک کے دوسرے رئیس نواب وزیرالدولہ بہادر کی خصوصی دعوت پر سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ اور خاندان کے افراد کو لے کر ایک ساتھ ٹونک آئے تھے۔ نواب وزیرالدولہ نے ان کی بڑی قدر و منزلت فرمائی تھی اور مناصب و جاگیرات سے سرفراز کیا تھا۔

ان تینوں بزرگ خاندانوں کے افراد و اخلاف بھی ریاست ٹونک میں معزز و محترم رہے اور سابق ریاست کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔

غازی ولی محمد پھلتی، نواب وزیرالدولہ کے معتمد ترین مشیر تھے۔ ان کے صاحبزادے مولانا عبدالرب، مشہور عالم اور درویش منش بزرگ گزرے ہیں۔ مولانا عبدالرب کے خلف الرشید، مولانا نصیر احمد رحمہ بھی بڑے متبحر عالم تھے، علم ریاضی میں بھی انھیں مہارت تامہ حاصل تھی، وہ بڑے مرتاض، متقی اور پاک نفس انسان تھے۔ دارالعلوم خلیلیہ ٹونک کی مسند صدارت پر ان کے علمی و نورانی وجود کو برسوں لوگوں نے جلوہ گر دیکھا ہے اور بہت سے تشنگان علوم نے اس چشمۂ فیض سے سیرابی حاصل کی ہے۔

ان ہی مولانا نصیر احمد کے دوسرے فرزند ارجمند، ملک مولانا حکیم سید فضل محمود برکاتی ہیں۔ جو ایک مشہور و ماہر فن طبیب ہونے کے ساتھ عالم دین بھی ہیں اور قومی و ملی کاموں میں جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے حصہ لے کر اپنے اسلاف کی مجاہدانہ روایات کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ دارالعلوم خلیلیہ آپ ہی کی نگرانی و سرپرستی میں ترقی کے منازل طے کر رہا ہے۔

مولانا خیرالدین شیرکوٹی بھی ریاست کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے ان کے فرزند مولانا فضل محمد، بڑے زبردست عالم اور متقی و پرہیزگار انسان تھے برسوں درس و تدریس کی خدمات کے ساتھ عدالت العالیہ شرع شریف ٹونک کے شعبۂ افتا کی خدمات بھی انجام دی تھیں۔ مشہور عالم دین حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی کو بھی آپ سے تلمذ کا شرف حاصل تھا۔

ان کے صاحبزادے مولانا بدرالدین بھی علوم شرعیہ کے عالم تھے اور جید حفاظ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ وکالت کا امتحان بھی انھوں نے پاس کیا تھا، وہ ریاست کے منصفی مجسٹریٹی اور ناظم عدالت العالیہ شرع شریف کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ ابھی ۱۲/ دسمبر ۱۹۷۱ء کو ۵۵ سال کی عمر میں اس دار فانی سے وہ عالم بقا کو سدھارے ہیں۔ مولانا بدرالدین صاحب اولاد نہ تھے ان کے انتقال سے افسوس کہ مولانا خیرالدین شیرکوٹی کی نسل اور خاندان کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

حافظ وجیہ الدین پانی پتی کے خاندان کے چشم و چراغ الحاج شیخ محمد یوسف صدیقی آج کل دہلی میں قیام پذیر ہیں اور جماعت اسلامی کے سربرآوردہ رہنماؤں میں اہم حیثیت کے مالک ہیں۔ دہلی سے نکلنے والے ہفت روزہ انگریزی اخبار "ریڈینس" کے ایڈیٹر ہیں۔ ان کے پدر بزرگوار حاجی محمد یعقوب بھی ریاست کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے اور جاگیر و انعامات سے سرفراز ہوئے۔ حاجی محمد یعقوب، حافظ وجیہ الدین پانی پتی کے خلف الصدق تھے۔

غرضکہ مولانا مہر کو میں نے ان تمام تفصیلات سے باخبر کیا وہ کبھی ٹونک تشریف نہیں لائے۔ لیکن جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے یہاں کے کتب خانوں اور یہاں کی تاریخی کتابوں سے انھوں نے امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد وزیر تعلیم حکومت ہند کے توسط سے استفادہ کیا۔

چنانچہ وہ خود اپنی کتاب "احمد شہید" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

> "بعض قلمی کتابیں کتب خانۂ ٹونک میں تھیں
> تقسیم ملک کے بعد ٹونک پہنچنا سہل نہ رہا تھا حضرت
> مولانا ابوالکلام آزاد وزیر تعلیمات ہند نے میری
> درخواست پر وہ کتابیں ٹونک سے دہلی منگالیں
> اور میں نے دو مرتبہ حضرت مولانا کی خدمت میں
> پہنچ کر ان سے استفادہ کیا تھا۔"
>
> (صفحہ ۳ دیباچہ احمد شہید)

ایک اور جگہ اسی دیباچہ میں ٹونک کی دو معزز اور علمی شخصیتوں حضرت مولانا سید محمد طلحہ اور جناب سید محمد زبیر کا ذکر یوں فرمایا ہے۔

> "سید صاحب کے خاندان سے متعلق کئی ضروری
> باتیں مجھے سید طلحہ اور سید زبیر سے معلوم ہوئیں۔
> جو اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں"
>
> (صفحہ ۹ دیباچہ احمد شہید)

مولانا سید محمد طلحہ اور سید محمد زبیر اہل سادات کے بڑے معزز اور ذی علم افراد میں سے تھے ان کے جد اعلیٰ بخشی الملک

سیّد نور الہدیٰ، سیّد صاحب کے ساتھیوں میں سے تھے، اور ریاست ٹونک میں بخشی فوج کے عہدہ پر سرفراز رہے تھے۔

مولانا طلو ہندو پاک میں عربی علم ادب و لغت کے بڑے ماہر اور محقق تسلیم کئے گئے ہیں ان کی زندگی کا اکثر حصہ لاہور میں درس و تدریس کی خدمات میں گزرا ہے۔

سیّد زبیر، مولانا طلو کے بھائی تھے۔ علوم مغربی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ریاست ٹونک میں بحیثیت مجسٹریٹ اور اسٹنٹ جوڈیشیل اپنی خدمات کا آغاز کیا اور عرصہ تک ان عہدوں کے ذریعہ خدمتِ وطن کرتے رہے۔ غالباً سنہ ۴۷ء میں ملازمت ترک کر کے بھوپال چلے گئے تھے۔ اور وہاں سے تقسیم ملک کے بعد پاکستان ہجرت کی تقریباً تین سال ہوئے پاکستان میں وفات پائی۔

بہر حال مولانا مہر کو جس طرح سیّد صاحب اور ان کی تحریک کے مالہٗ و ماعلیہ سے خصوصی شغف اور ذوق تھا، اسی طرح "غالبیات" بھی ان کا پسندیدہ اور محبوب ترین موضوع رہا ہے اس موضوع پر بھی انھوں نے کئی محققانہ تصانیف اور متعدد تاریخی و تحقیقی مقالے یادگار چھوڑے ہیں۔

اس سلسلہ میں بھی مولانا مہر کا رابطہ اور تعلق ٹونک سے رہا اور میرے اُن کے درمیان خط و کتابت جاری رہی۔

بات یہ ہے کہ مرزا غالب اور سیّد احمد شہید پر جو تحقیقی کام مہر صاحب نے کیا اس سے ادب و تاریخ کے ہر طالب علم اور مذہبی تحریکات سے دلچسپی اور ذوق رکھنے والے ہر شخص کو کسی نہ کسی حد تک تعلق اور دلچسپی کا پیدا ہونا ناگزیر ہے۔

مجھے بھی ادب و تاریخ کے ایک شیدائی اور ادنیٰ خادم ہونے کی بنا پر مولانا کی تصنیفات سے دلچسپی اور مولانا سے عقیدت و محبت پیدا ہوئی اور میں نے بعض مسائل میں خط و کتابت کے ذریعہ مولانا سے رجوع کیا، مولانا نے جس شفقت و محبت کے ساتھ میرے سوالات کے جوابات دئے اور مختلف تحقیقی کاموں میں میری رہنمائی فرمائی، میں اس کو بھول نہیں سکتا۔ مولانا کے ساتھ مراسلت کا سلسلہ آخر وقت تک رہا، اس کی یادگار ان کے وہ مکاتیب گرامی ہیں جو انھوں نے وقتاً فوقتاً میرے نام تحریر فرمائے ہیں۔

میری مولانا سے واقفیت اور تعلقات کی ابتدا ۱۹۴۶ء یا ۱۹۴۷ء سے ہوئی تھی۔ میں اس زمانہ میں طالب علمانہ زندگی گزار رہا تھا۔ منشی فاضل پنجاب کی تیاری کے سلسلہ میں مولانا مہر کی کتاب "غالب" بھی میرے مطالعہ سے گزری، مولانا نے اس کتاب میں مرزا غالب کی قصیدہ نگاری کی تاریخ پر بحث کرتے ہوئے مرزا کے ان دو قصیدوں کا بھی ذکر کیا ہے، جو انھوں نے ٹونک کے فرماں روائے دوم نواب وزیر الدولہ بہادر کی مدح میں لکھے تھے۔

مولانا نے ان قصیدوں کے صلہ کی مقدار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

عرفی نے خانِ خاناں کی مدح میں ۱۰۳ شعر کا قصیدہ لکھا تھا جس کا مطلع تھا ؎

اے داشتہ در سایہ ہم تیغ و قلم را
وے ساختہ آرائش ہم فضل و کرم را

دریا دل خانِ خاناں نے زرِ ساٹھ ہزار روپیہ دیا، غالب نے اس زمین میں وزیر الدولہ بہادر والیٔ ٹونک کی مدح میں انتقر شعر کا قصیدہ لکھا جو عرفی کے قصیدہ سے کسی حالت میں کم پایہ نہیں ہے۔ لیکن غالب کو ٹونک سے غالباً انتقر سو روپیہ بھی نہیں ملے۔

(غالب از مہر صفحہ ۱۹۵)

مجھے مولانا کا یہ انداز نگارش اور حسرت آمیز گلہ بری طرح اکھرا، میں نے بغیر کسی سابقہ تعارف کے مولانا کو خط لکھا اور جواب میں ایک مختصر مضمون "غالب اور ٹونک" کے عنوان سے لکھ کر اخبار ایشیا، آگرہ میں شائع کرایا، یہ اخبار حضرت علامہ سیماب اکبرآبادی مرحوم کے فرزند حضرت منظر صدیقی کی ادارت میں نکلتا تھا اور ہندوستان کے ہفت روزہ اخبارات میں مقبول ترین اخبار تھا۔

"غالبیات" کے ساتھ میرے ذوق کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے اس کے بعد میں اس تحقیق و جستجو میں رہا کہ مرزا غالب کے ٹونک اور والیان ٹونک سے تعلقات کے گوشہ کو اجاگر کروں اور اس سلسلہ میں جو بھی مواد فراہم ہو اس کو منظر عام پر لاؤں۔ جوئندہ یابندہ اس سلسلہ میں مجھے سب سے پہلے ٹونک کے ایک سرکاری قدیم کتب خانہ "کتب خانہ وزیریہ" میں مرزا غالب کی تصنیف "دستنبو" کا ایک ایسا نسخہ ملا جس پر مرزا کا ایک قطعہ ان ہی کے قلم سے تحریر تھا، یہ کتاب مرزا نے تحفتہً نواب وزیر الدولہ بہادر کی خدمت میں ارسال کی تھی قطعہ کا مفہوم بھی یہی تھا۔ میں نے اس پر ایک مضمون "یاد غالب" کے عنوان سے لکھا، اور قطعہ کے عکس کے ساتھ رسالہ آجکل دہلی میں شائع کرایا اور اس مضمون کا تراشہ مولانا مہر کی خدمت میں ارسال کیا، مولانا نے میری اس کاوش کی بڑے حوصلہ افزا انداز میں تحسین فرمائی۔

اس کے بعد حسنِ اتفاق سے مجھے مرزا غالب کی ایک قلمی تحریر بصورت یادداشت دفتر دار الانشاء حضوری ٹونک کے محافظ خانہ سے دستیاب ہوگئی، جو مرزا نے "عید اضحیٰ" کے قصیدہ کے صلہ کی رسید کے طور پر لکھی تھی، میں نے اس تحریر کا عکس بھی اپنے ایک تفصیلی مضمون کے ساتھ رسالہ آجکل دہلی میں شائع کرایا۔

چونکہ مرزا غالب کے قصیدوں کے ٹونک بھیجنے کی تاریخ کی تعیین میں محققین غالب کے درمیان اختلاف تھا اور قیاس کے

ذریعہ ان کی تاریخوں کے بارے میں حکم لگایا جا رہا تھا۔ اس دستاویز کے سامنے آجانے سے "عید اضحیٰ بر سر آغاز زمستاں آمد" والے قصیدہ کی تاریخ ارسال کا فیصلہ ہو جاتا تھا۔ مولانا نے اس تحقیقی مضمون کی اشاعت پر مجھے بڑے ہی مشفقانہ انداز میں مبارکباد دی، اسی طرح مولانا سے خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری رہا، اسی زمانہ میں مولانا کی کتاب "سرگزشت مجاہدین" شائع ہوئی تو مولانا نے کرم فرما کر ۲۲ مئی ۱۹۵۹ء کو ایک نسخہ بطور تحفہ مجھے ارسال فرمایا میں نے شکریہ کا خط لکھا اور کتاب کے مطالعہ کے بعد ٹونک سے متعلق مجاہدین کی سرگزشت میں حالات کی عدم دستیابی کی بنا پر جو تشنگی رہ گئی تھی۔ اس کی طرف ادب کے ساتھ چند اشارات کئے، اس کو مرحوم کی عالی ظرفی کہنا چاہیے کہ مجھ حقیر کی نشاندہی کو مرحوم نے بڑی فراخدلی سے قبول فرمایا اور بڑی محبت و شفقت کا اظہار فرماتے ہوئے اظہار تشکر بھی فرمایا۔

۱۹۶۹ء میں جب ہندوستان اور دوسرے ممالک میں بڑی دھوم دھام سے غالب صدی منائی جا رہی تھی اور ملک کے معتدد رسائل غالب نمبر نکال رہے تھے میں نے بھی اس میں اپنے مقالات کے ذریعہ حصہ لیا، اس سلسلہ میں "غالب کے ایک باکمال دوست میر تفضل حسین خاں" پر ایک تفصیلی مقالہ میرے زیر تحریر تھا، فراہمی مواد اور حصول معلومات کے لئے جہاں میں نے محترم مالک رام سے رجوع کیا، وہاں مولانا مہرؔ کو بھی ایک تفصیلی خط لکھا، جس میں ان سے "باغ دو در" کے بارے میں تفصیلات چاہی تھیں اور اورینٹل کالج لاہور میگزین کا وہ شمارہ طلب کیا تھا جس میں یہ رسالہ شائع ہوا تھا اس کے جواب میں مولانا مہرؔ نے ذیل کا گرامی نامہ تحریر فرمایا۔

مسلم ٹاؤن لاہور غلام رسول مہر

باسمہٖ سبحانہٗ

مکرمی، نامہ گرامی مل گیا، رسالہ اگر مل سکتا تو میں پہلے ہی بھیج دیتا افسوس کہ وہ ناپید ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک ہی صاحب پوری اشاعتیں اٹھا کر لے گئے تھے۔ پھر اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا کتاب زیر طباعت ہے لیکن وہ اس وقت تک منظر عام پر نہیں آسکتی جب تک اورینٹل کالج کی طرف سے ایک خاص تقریب انجام نہ پائے گی اس کے لئے ابھی کوئی تاریخ مقرر نہیں ہوئی اور ظاہر ہے کہ ایسی کتاب ڈاک کے ذریعہ بھیجنا بے سود ہوگا، راستہ ہی میں رہ جائے گی۔

مجھے یاد ہے کہ میر تفضل حسین کے نام مرزا کے سات خط ہیں قیدی کے متعلق جس خط کی مختصر سی عبارت خواجہ حالی نے یادگار میں چھاپی تھی، معلوم ہوا کہ وہ انھیں تفضل حسین کے نام تھا۔

عابدی صاحب نے انھیں خیرآبادی لکھا ہے اگر آپ ان کے مفصل حالات چھاپ دیں زہے بہت ہی اچھا ہو افسوس کہ میں بالفعل ارسال کتب کی خدمت انجام نہیں دے سکتا، تاہم جو کچھ بھی کہیں سے مل سکا انشاءاللہ بھجوانے کی کوشش کروں گا میں نے مقالوں کے سوا کچھ نہیں لکھا، البتہ مرزا کے خطوط، نیز فارسی قصائد و مثنویات مرتب کر کے چھاپ دی ہیں یہ چیزیں مرزا کی دوسری تصانیف کی طرح فی الحال زیر طبع ہیں۔ غالباً جنوری کے اختتام تک مکمل ہو جائیں، مصروفیت بہت ہے اس لئے کم گوئی پر مجبور ہوں۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ

موصولہ ۲۲ جنوری ۱۹۶۹ء نیازمند۔ مہرؔ

مولانا مہرؔ کا یہ مکتوب ۲۲ جنوری ۱۹۶۹ء کو ملا تھا، مولانا نے سید تفضل حسین خاں کے مفصل حالات چھاپ دینے کی فرمائش کی تھی۔ سید تفضل حسین خاں پر میرا مضمون رسالہ شاعر بمبئی کے غالب نمبر میں شائع ہوا۔ لیکن اتفاق کی بات کہ اسی زمانہ میں ہند و پاک کے درمیان کتابوں اور رسالوں کی ترسیل پر پابندی عائد ہو گئی اور رسالہ شاعر غالباً ان تک نہیں پہنچ سکا۔

جہاں تک مجھے یاد ہے۔ مذکورۂ بالا خط مولانا مہرؔ کا میرے نام آخری خط تھا اس کے بعد گوناں گوں مصروفیات کے باعث میں بھی انھیں کچھ نہیں لکھ سکا۔

اب جبکہ اچانک، ان کے انتقال کی خبر اخبارات میں پڑھی، "قلب و دماغ کو ایک سخت دھکا لگا اور مولانا کے پُر خلوص شفقت نامے یاد آنے لگے۔

اس دورِ قحط الرجال میں کسی عظیم فنکار اور علمی شخصیت کا اٹھ جانا، ایک ناقابل تلافی نقصان ہے اور قوم کے لئے قیامت صغریٰ سے کم نہیں ہے مہرؔ کی وفات پر بے مہریٔ ایام کا گلہ بھی تو نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ایک جگہ "انی انا الدھر" کہہ کر گلہ کا گلا ہی گھونٹ دیا گیا ہے مشیت ایزدی میں دم مارنے کی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ بخشے۔

مراسلات

مغربی بنگال میں اردو اکیڈمی کے قیام کی تحریک

ہندوستان کو آزاد ہوئے آج ۲۵ سال بیت گئے اور ان ۲۵ برسوں میں مختلف زبانوں کی ترقی کی جو رفتار ملک میں رہی ہے اس کی بہ نسبت "اردو" زبان کی ترقی کی رفتار انتہائی مایوس کن ہے۔ اس سلسلے میں اردو والوں کی طرف سے طرح طرح کے منصوبے بنتے اور بن کر بگڑتے رہے۔ ملک میں ہونے والے انتخابات کے موقعوں پر ہر پارٹی نے اس کی ترقی کی ضمانت اپنے انتخابی منشور میں دی۔ حکومت کی جانب سے بھی آئے دن اعلانات ہوتے رہے، کبھی لسانی کمشنروں کی تقرری ہوئی، تو کبھی مخصوص ڈپٹی ڈائرکٹر تعلیمات مقرر ہوتے رہے اور گردش ایام کے اثرات سے ملکوں اور قوموں کی تقدیریں بدلتی رہیں، لیکن "اردو" کی ترقی کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر ہوتے نظر نہیں آیا۔

پچھلے ۲۵ برسوں سے اردو کو اس کے جائز حقوق دیئے جانے سے انکار اور اردو دشمنی کا جو سرکاری رویہ رہا ہے اس میں ادھر دو برسوں سے کچھ تبدیلی آئی ہے اور اب ایسا لگتا ہے کہ حکومت ذہنی طور سے اردو دشمن نہیں ہے، خصوصاً سال رواں اردو زبان کی ترویج و ترقی کے لئے فال نیک بن کر آیا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ۱۰ جنوری کو ریاستی حکومت نے اتر پردیش میں اردو اکیڈمی قائم کرکے اردو کی ترقی و ترویج کے لئے ۵ لاکھ روپے کی منظوری دی ہے نیز ۱۱ فروری کو بہار کے گورنر شری ڈی۔ کے بروا نے ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے حکومت بہار کی جانب سے اردو کی ترقی کے لئے ۳ لاکھ روپے کی رقم منظور کرنے اور بہار میں بھی اردو اکیڈمی کے قیام کے لئے مرکزی حکومت کے مثبت اقدام کا اعلان کیا ہے۔ مذکورہ بالا رقمیں اردو ادیبوں کی تخلیقات کی ہمت افزائی، اچھی کتابوں پر انعامات، اردو کتب خانوں کے لئے اردو کتابوں کی خریداری شہروں میں بڑی بڑی لائبریریوں کا قیام اردو کے ذریعہ پڑھانے والے اساتذہ کی تربیت کے لئے نارمل اسکولوں کا قیام ان اساتذہ کو اردو کے امتحانات پاس کرنے کے لئے الاؤنس، ابتدائی اور ثانوی منازل کے لئے تمام علوم کی کتابوں کی فراہمی یا دوسری زبانوں میں ان علوم کی کتابوں کو اردو میں ترجمہ کرنے کا کام اور اردو کے لئے اور بھی دوسرے ترقیاتی کاموں پر صرف کی جائیں گی۔

حکومت کے رویے میں اردو کی ترقی کے لئے جو تبدیلی آئی ہے اس کے مد نظر "ادارہ فروغ اردو" شب پور ہوڑہ نے اتر پردیش اور بہار کی طرح مغربی بنگال میں بھی اردو اکیڈمی قائم کرنے کے سلسلے میں ایک تحریک چلانے کا پروگرام بنایا ہے تاکہ اس صوبے میں بھی اردو کی ترقی و ترویج کا کام ہو سکے اور ۲۵ برسوں سے جو اردو کی حق تلفی ہوتی رہی ہے اب اس کا ازالہ ہو سکے۔

"ادارہ فروغ اردو" شب پور، ہوڑہ مغربی بنگال کے تمام اردو دوستوں، شاعروں، ادیبوں، صحافیوں اور ناشروں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ بے حسی کے خول سے باہر نکلیں اور ادارہ کی جانب سے بنگال میں اردو اکیڈمی قائم کرنے کی تحریک کا ساتھ دیں۔ اگر ہم نے اپنی آواز بلند نہیں کی تو پھر یہ حکومت کی امداد، انتخاب لڑنے والوں کے وعدے اور سیاسی جماعتوں کے منشور غرض کوئی بھی قوت اردو کو تباہ ہونے سے نہیں بچا سکتی۔

ساتھ ہی ساتھ ادارہ تمام سیاسی جماعتوں کے لیڈروں سے یہ اپیل کرتا ہے کہ جس طرح وہ اپنے انتخابی منشوروں میں اردو کے جائز حقوق کی ضمانت کا وعدہ کرتے ہیں ادارے کی اس تحریک کے ساتھ تعاون کرکے اپنی اردو دوستی کا ثبوت دیں۔

شب پور ہوڑہ۔ • ایم۔ اے قاسم (علیگ)

ڈائرکٹر خط کتابت اردو کورس جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نام چند خطوط

(۱)

میں آپ کے پروجکٹ مادھیم سے اردو کی شکشا لینا چاہتا ہوں۔ میری اردو سیکھنے کی پرول اچھا رہی ہے، پر گرد کے ابھاؤ میں کچھ بھی سیکھنا دوبھر سا ہے۔ کنتو آج مجھے وہ سمسیا حل سی ہوتی دیکھ رہی ہے۔ کرپیا آپ پاٹھیہ کرم اور پرویش پتر بھیج دیویں تاکہ میں بھی اپنی داخلہ کرا سکوں۔

میں آپ کے اس کاریہ کے لئے سردا کرتگیہ رہوں گا۔

طالب • کیلیس رام لکھن رام پرساد

(۲)

گذارش ہے کہ میں حضور کے ذریعے خط کتابت اردو کورس میں داخلہ چاہتا ہوں۔ مجھے اس زبان سے کافی دلچسپی ہے جتنے بھی شاعر حضرات اردو زبان کے ہوئے ہیں۔ ان سب کی کتابیں میں نے لائبریری میں منگا رکھی ہیں۔ پرنتو اردو نہ جاننے کے سبب ہندی ترجمہ منگا رکھا ہے۔

مجھے امید ہے کہ جناب برائے مہربانی جلد کورس میں داخلہ کے واسطے فارم بھیجیں جسے میں فیس کے ساتھ پیش خدمت کروں گا۔

ٹونک • پرکاش چند جین

(۳)

آج ہی دھرم یگ کے سنہ انک میں آپ کا وگیاپن دیکھ کر

پرسنتا ہوئی، سنجوت سارے بھارت میں پر یاس پر نظم ہے۔ میں
وردستان میں ایم اے۔ اکنامکس کا چھاتر ہوں، بہت سے پہلے میں
نے اردو سیکھی تھی، لیکن وگیاں کے ابھاؤ میں سیکھ رہی چھوڑنی پڑی
تھی۔ سے میرے اردو اچھی طرح سیکھنے کی اچھا رہی ہے۔ سنجوت
آپ کی سنستھا کے مادھیم سے میں تھا مجھ جیسے ہی بہت سے لوگ
اپنی اردو سیکھنے کی اچھا پوری کر سکیں گے۔ میں آپ کے پر یاس کی
سپھلتا کے لیے بدھائیاں و شبھ کامنائیں پریشت کرتا ہوں۔ کرپیا
مجھ کو آپ کی سنستھا کا پروشن پتر بھیجنے کا کشٹ کریں تاکہ میں بھی
سنستھا کے دوارا دی تھا ادھین سے لابھانوت ہو سکوں۔

مدھیہ پردیش۔ • عبدالواحد قریشی

(۴)

دھرم یگ میں آپ کے اردو خط وکتابت کورس کے
بارے میں پڑھا۔ ویسے میری دلی تمنا تو بہت دنوں سے ہے کہ اردو
سیکھی جائے کیونکہ شعر و شاعری میں کافی دلچسپی ہے۔ ویسے خود بھی
کچھ اشعار کرتا ہوں کبھی کبھی۔ گھر میں سب اردو جانتے ہیں لیکن میں
اردو لکھنا پڑھنا نہیں جانتا۔ تو آپ اس بارے میں ذرا زیادہ معلومات
بھیجنے کی مہربانی کریں۔ فارم وغیرہ ہو تو جلدی ہی بھیجیں۔ یدی میں اردو
لکھنا پڑھنا سیکھ گیا تو آپ کا میں بہت بہت شکر گزار ہوں گا۔

مہاراشٹر • اروند کمار

(۵)

بعد آداب کے گزارش ہے کہ میرا نام عبدالرشید خاں ہے۔
میں بی۔اے کی تعلیم حاصل کر رہا ہوں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ایک
مسلم ہوتے ہوئے بھی اردو سے ناواقف ہوں۔ دھرم یگ ۱۳ فروری ۹۲ء
کے اشتہار میں آپ کا دیا ہوا اشتہار میں نے پڑھا ہے اور اس لئے میں
یہ خط جواب کی امید میں لکھ رہا ہوں۔
مہربانی کر کے مفت پراسپکٹس اور انٹری فارم بھیجیں۔

سہاگ پور • عبدالرشید خاں

(۶)

میں نے دھرم یگ میں آپ کا وگیاپن پڑھا جس سے مجھے آپ
کا پتہ و اردو کی شکشا (ٹیوشن) کے بارے میں گیات ہوا۔
اردو جو کہ بھارت میں رہنے والے ایک وشیش ورگ کی
بھاشا ہے۔ اتہ: اس ورگ سے سمبندھ استھاپت کرنے کا ایک
سندر مادھیم ہے۔ یہی وچار کر میں نے اپنے من میں اردو پڑھنے کا نشچے کیا۔
پرنتو ابھی تک کوئی اچت سادھن نہ مل سکا تھا۔ یہ اتفاق ہی ہے
کہ مجھے آپ کا اکت وگیاپن ملا اور میں پرسن ہو اٹھا کیونکہ میری
اچھا پورتی کا سادھن مجھے پراپت ہو گیا اور وہ بھی نشلک۔
آگے میری آپ سے یہی پرارتھنا ہے کہ آپ اپنے یہاں کے
خط کتابت اردو کورس مادھیم ہندی کی پوری جانکاری تتھا اسی
طرح کے پراسپکٹس بھیجنے کی کرپا کریں۔ تاکہ میں آپ کے
دوارا دی جانے والی شکشا میں شامل ہو سکوں۔

• پرمود کمار شریواستو

(۷)

سونے سیوا میں نمرنتی ہے کہ میں نے آپ کی اور سے دی
گئی خبر دھرم یگ کے رویوار ۲ فروری ۹۲ء کے انک میں پڑھی۔
میں گجرات کا رہنے والا ہوں اور ہمارے یہاں اردو کی پڑھائی
کمزور ہے۔ آپ کی خبر پڑھ کر آنند ہوا کہ ایک بڑی سنستھا کے دوارا
اردو کی شکشا پانے کا موقع ہاتھ آیا ہے اور دوسرے متروں کو
بھی شوق دلانے کا بھی اوسر ہے۔
میں IX کلاس میں پڑھتا ہوں اور میرے پتا جی شکشک ہیں۔
آشا ہے کہ آپ پاٹھیہ کرم اور پروشن پتر روانہ کرنے کی کرپا کریں
تو آپ کا آبھاری ہوں گا۔ اگر بن سکا تو میرے پتا شری کے ذریعے شہر
میں کیندر بنانے کا پریتن کروں گا۔
کیندر بنانے کے نیم اور اور دوسری ضروری جانکاری بھی
روانہ کرنے کی پرارتھنا کرتا ہوں۔ آشا ہے کہ آپ میرے اس کاریہ
میں ضرور مدد کریں گے اور اردو کی سیوا کرنے کا موقع دیں گے۔

احمد آباد • غلام مصطفیٰ ملیک

افضل اجملی

غزل

نہ پوچھو زندگی کا راز کیا ہوں
میں اپنے دل کی گم گشتہ صدا ہوں

گلہ ہے اپنی تنہائی کا مجھ کو
میں اپنی راہ میں تنہا کھڑا ہوں

جہاں تک میری آنکھیں دوڑتی ہیں
میں خود اپنا ہی سایہ دیکھتا ہوں

کسے الزام دوں اس تشنگی کا
سمندر میں بھی میں پیاسا کھڑا ہوں

میں ہر چہرے کو دیواروں سے پیچھے
بہت اچھی طرح پہچانتا ہوں

نشاطِ کرب میں دل کو جھکو کر
بساطِ زندگی پر کھیلتا ہوں

شامل ہے۔　　• نامہ نگار

اخبار و اذکار

اتر پردیش میں اردو

بیگم حامدہ حبیب اللہ وزیر قومی یکجہتی اتر پردیش نے ایک انٹرویو کے دوران جناب میر حسن ایم۔ اے کو اردو سے متعلق کچھ سوالات کے جواب میں بتایا کہ مرکزی حکومت اور اتر پردیش کی وزارت دونوں کو اس بات کا پورا احساس ہے کہ اردو کے ساتھ چند در چند اسباب کی بنا پر انصاف نہیں کیا گیا اس لئے اب مرکز اور یوپی دونوں حکومتوں نے تہیہ کر لیا ہے کہ انتخابی منشور اور سرکاری اعلانات کی شکل میں اس وقت تک جو وعدے اردو کے متعلق کئے گئے ہیں ان پر بے کم و کاست عمل کیا جائے۔

انھوں نے کہا کہ حکمراں کانگریس اور کانگریس پارٹی دونوں کا احساس یہی ہے چنانچہ اتر پردیش کے چیف منسٹر جناب کملا پتی ترپاٹھی نے اعلان کر دیا ہے کہ اردو پڑھنے اور پڑھانے کے لئے تمام سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ آندھرا پردیش کی طرح اتر پردیش میں بھی اردو کے ٹرینڈ ٹیچرس کی کمی ہے جو اردو کی تعلیم کی توسیع کے راستے میں حائل ہوتی ہے۔ اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے طے کیا گیا ہے کہ عارضی طور پر اردو ٹیچرس کے لئے ٹرینڈ ہونے کی شرط نہیں لگائی جائے گی۔ اور ساتھ ہی اردو ٹیچرس کی ٹریننگ کے انتظامات بھی کر دئے گئے ہیں۔

بیگم صاحبہ نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ اتر پردیش میں عام احساس یہ ہے کہ اردو اور ہندی کو ایک دوسرے سے قریب تر لایا جا سکتا ہے جس سے ان دونوں زبانوں کی رفتار ترقی تیز ہو جائے گی۔ اردو اکاڈمی سے متعلق سوال کے جواب میں بیگم صاحبہ نے کہا کہ یہ ایک خود اختیار ادارہ ہے جس کے اراکین حکومت کی جانب سے نامزد کئے گئے ہیں۔ اکیڈیمی کا بجٹ بالفعل ۲ؕ لاکھ روپے کا ہے اور اس کا دفتر ایک موزوں عمارت میں قائم کیا جا چکا ہے جہاں روزانہ کے کام انجام دئیے جا رہے ہیں۔ اکیڈیمی کے قیام کا منصوبہ ہے کہ اردو کی ترقی اور حفاظت کے لئے باضابطہ طور پر موثر انتظامات کئے جائیں۔ ادیبوں اور شاعروں کی معیاری تخلیقات کے تحفظ اور اشاعت کا انتظام کیا جائے۔ مالی امداد دی جائے اور معاشی مشکلات کو دور کیا جائے اور اردو مدارس کھولنے والوں کو مالی امداد دی جائے۔ بیگم صاحبہ نے بتایا کہ ٹکسٹ بکس کی تیاری اور طباعت کے لئے بھی ضروری اقدامات کئے جا رہے ہیں۔

انھوں نے بتایا کہ عام قارئین کے لئے معیاری ادبی تصانیف کے ترجمہ کی اشاعت بھی اکیڈیمی کے مقاصد میں

اردو میڈیم اسکول ایسوسی ایشن کا انتخاب

کانپور:۔ بمقام اسلامک نرسری جونیر ہائی اسکول اتر پردیش اردو میڈیم اسکولس ایسوسی ایشن کی ایڈ ہاک کمیٹی کی میٹنگ زیر صدارت اکبر علی صاحب صدیقی پرنسپل صدیقی فیض عام انٹر کالج منعقد ہوئی جس میں باتفاق رائے طے پایا کہ ایڈ ہاک کمیٹی کو مستقل ایسوسی ایشن میں تبدیل کیا جائے بعدہ کمیٹی کی نشست ہوئی جس میں عہدیداروں کا انتخاب عمل میں آیا۔ علاوہ دیگر عہدیداروں کے اکبر علی صاحب صدیقی پرنسپل صدیقی فیض عام انٹر کالج صدر اور سید محمود احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام ہائر سکنڈری اسکول سکریٹری منتخب ہوئے۔

یہ بھی طے پایا کہ ۲۱، اراکین (معہ عہدیداران) پر مشتمل مجلس انتظامیہ بنائی جائے۔ اس نشست میں اتفاق رائے سے یہ بھی طے پایا کہ بورڈ کے اردو میڈیم اسکولس کے امتحانات (فی الحال درجہ پنجم) کرانے کے بعد ایسوسی ایشن صوبائی سطح پر ماہ جون میں ایک کنونشن طلب کرے جس میں اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے لئے رائے عامہ ہموار کی جائے اور مختلف اضلاع میں ایسوسی ایشن کی شاخیں قائم کی جائیں یہ بھی طے پایا کہ ایسوسی ایشن کا رجسٹریشن جلد از جلد کرا لیا جائے۔　　• قومی آواز لکھنؤ

خورشید احمد جامی کی یاد میں ادبی اجتماع

حیدرآباد:۔ اردو کے نامور صاحب طرز شاعر خورشید احمد جامی مرحوم کی دوسری برسی کے موقعہ پر ادارہ برگ آوارہ کے زیر اہتمام "یاد جامی" کے زیر عنوان ایک ادبی اجلاس اور مشاعرہ ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ہال میں منعقد ہوا۔ ادبی اجلاس کا آغاز جناب محمود خاور کی افتتاحی تقریر سے ہوا اور نواب غلام محمد خان نودھی نے حضرت جامی کی تصویر پر پھول چڑھائے۔ مسز عقیل ہاشمی

اور اسلم عمادی نے حالی کے فکر و فن پر مضامین پڑھے اختر حسن صاحب حالق مدیر اردو "بلٹز" نے حالی کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ مسرز وقار خلیل، شمس الدین تاباں اور علامہ حیرت بدایونی نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا، اس موقعہ پر جناب محمود خاور نے ادارہ کے زیر اہتمام منعقدہ کل ہند ادبی شعری انعامی مقابلے (غزل) کے نتائج کا اعلان کیا اور حسن الدین احمد صدر جلسہ نے انعامات تقسیم کئے۔ انعام اول علی الدین نوید انعام دوم ساحل مانکپوری، انعام سوم جمیلہ سعید نشاط اور انعام خصوصی وقار خلیل کی غزل کو ملا ہے۔ صدر جلسہ حسن الدین احمد نے اپنی صدارتی تقریر میں ادارہ اور محمود خاور کی ستائش کرتے ہوئے مرحوم کی یاد کو تازہ رکھنے کے اقدام کو سراہا اور حالی کو خراج تحسین پیش کیا۔ ادبی اجلاس کے فوری بعد مشاعرہ ہوا۔

• ادارہ برگ آوارہ

ادبی سنگم جامعہ نگر کی ایک شاندار ادبی نشست

نئی دہلی:۔ ادبی سنگم جامعہ نگر کی ایک ادبی نشست زیر صدارت جناب شعیب ردولوی جامعہ اسٹاف کلب میں ہوئی۔ اس نشست میں ماجدہ شکور صاحبہ نے اپنا تازہ افسانہ "ایسا بھی ہوتا ہے" پڑھ کر سنایا جسے بے حد پسند کیا گیا۔ افسانہ کے بعد ہندی کے شاعر جناب بے پال سنگھ ترنگ اور جناب سطوت رسول نے اپنا تازہ کلام پیش کیا۔ اس سے پہلے ادبی سنگم کے سکریٹری نے اردو کے ایک شاعر جناب منیر الحسن صاحب منیر کی وفات پر تعزیتی قرارداد پیش کی جو باتفاق رائے منظور ہو گئی۔ •سکریٹری

"حلقہ ارباب ادب" بھوپال کی ادبی سرگرمیاں

بھوپال:۔ مدھیہ پردیش کی راج دھانی کی معتبر ادبی انجمن "حلقہ ارباب ادب" نے پچھلے ماہ تین مختلف موقعوں پر اردو کے بعض ممتاز شاعروں، ناقدوں، افسانہ نگاروں سے کسب نور کیا۔ "حلقہ" کے یہ جلسے اس کے ادبی سفر کے ۲۲ برسوں کے کامیابی کے ساتھ گزرنے کا جشن منانے کے لئے منعقد کئے گئے تھے۔ پہلے جلسہ میں جناب علی سردار جعفری، جناب اعجاز صدیقی مدیر شاعر بمبئی اور ڈاکٹر وحید اختر نے اپنا کلام سنایا جبکہ دوسری شام جناب معین احسن جذبی اور جناب غلام ربانی تاباں کے ساتھ منائی گئی۔ "حلقہ" نے ایک شام افسانہ بھی منائی جس میں مشہور افسانہ نگار ستیش بترا کے علاوہ شفیقہ فرحت اور آفاق احمد نے بھی کہانیاں سنائیں۔ ان جلسوں میں مقامی ادیبوں اور شاعروں میں جناب کیف بھوپالی، جناب اختر سعید، جناب محمد علی تاج، جناب فضل تابش، جناب قاسم نیازی، جناب ارشد صدیقی، حاجی موسیٰ، جناب نسیم اختر لکھنوی، جناب اختر علی اختر وغیرہ نے بھی اپنا کلام سنایا۔ مختلف ادبی مسائل پر بحث میں جناب یوسف کمال بخاری، ڈاکٹر حامد حسین، پروفیسر ذکی الرحمن پروفیسر مس انیس سلطان، ڈاکٹر مس کمل جوہری نے حصہ لیا۔ ممتاز شاعر محمد علی تاج نے "حلقہ" کی ۲۲ سالہ ادبی خدمات کو سراہتے ہوئے کہا کہ بھوپال کی ادبی بیداری میں "حلقہ" کا بڑا حصہ ہے اس کی عمر ہی طویل نہیں ہے بلکہ ادبی خدمات کی فہرست بھی طویل ہے۔ • نامہ نگار

ادبی سنگم اردو ایوارڈ

ادبی سنگم بمبئی کی ایک مخصوص میٹنگ میں انجمن کے صدر حضرت قمر جلال آبادی کی تحریک پر یہ تجویز متفقہ طور پر منظور ہوئی کہ ہر سال مئی کے مہینہ میں سالانہ مشاعرہ کے موقع پر ہندوستانی فلموں کے بہترین اردو مکالمہ اور گیت کے لئے دو ایوارڈ ان کے لائق تخلیق کار کو پیش کئے جائیں۔ اس سلسلہ میں انجمن کے سات ارکان کی ایک تشکیل شدہ کمیٹی ہر سال سالانہ مشاعرہ سے قبل بحث و تمحیص کے بعد اس کا فیصلہ کیا کرے گی۔ •قیصر عثمانی۔ سکریٹری

نصر قریشی

غزل

پتھروں پہ وقت نے لکھی تھی جو تحریر دیکھ
کاٹتی جاتی ہے اس کو بھی کوئی شمشیر دیکھ

ہیں تشنگی رات کے حالات کا نوحہ بھی
شعلۂ احساس میں پگھلے ہے کیوں زنجیر دیکھ

بند کر دل کی گھٹن کو صبح کے آنگن میں لا
پھر چٹانوں سے پگھلی برف کی تصویر دیکھ

یہ تو جنگل ہے صداؤں کا قدم کو تیز کر
انگلیاں کانوں میں دے مڑ کر نہ دامنگیر دیکھ

تیرا چہرہ، تیرا قد جس کو نظر آتا نہیں
محفلوں میں بیٹھ کر اس کی ہے کیا توقیر دیکھ

ہماری زبان
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور تحریر کریں۔ منیجر

جناب مالک رام کی ۷۵ویں سالگرہ پر تین کتابوں کی نذر

۱۶ر مارچ کو ۴ بجے راشٹرپتی بھون میں نذر مالک رام کمیٹی کی طرف سے تیار کی ہوئی تین کتابیں صدر جمہوریہ جناب وی. وی. گری نے ایک دلکش تقریب میں اردو کے مایۂ ناز محقق اور عالم جناب مالک رام کو پیش کیں۔ دو کتابیں اردو میں اور ایک کتاب انگریزی میں تھی۔ سب سے پہلے جناب کرنل بشیر حسین زیدی نے نذر مالک رام کمیٹی کی جانب سے صدر جمہوریہ سے درخواست کی کہ وہ یہ کتابیں مالک رام صاحب کی نذر کریں۔ اس کے بعد صدر جمہوریہ نے ایک تقریر کی جس میں مالک رام صاحب کی علمی خدمات کو سراہا اور پھر تینوں کتابیں مالک رام صاحب کی نذر کیں۔ کتابوں میں ہندوستان اور بیرون ہند کے علما کے مضامین ہیں۔ آخر میں مالک رام صاحب نے صدر کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد صدر جمہوریہ کی طرف سے مہمانوں کی چائے سے تواضع کی گئی۔ اس تقریب میں شرکت کرنے والوں میں ڈاکٹر ہردے ناتھ کنزرو صدر انجمن ترقی اردو ہند، پروفیسر محمد مجیب، کرنل زیدی، ڈاکٹر عابد حسین، پروفیسر آل احمد سرور، پروفیسر مختار الدین احمد آرزو، پروفیسر اسلوب انصاری، ڈاکٹر ضیاء الحسن فاروقی، عرش ملسیانی، ڈاکٹر پربھاکر ماچوے سکریٹری ساہتیہ اکاڈمی، حکیم عبد الحمید (ہمدرد)، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ قابل ذکر ہیں۔ صدر جمہوریہ کی تقریر کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"میرے لئے یہ بڑی خوشی کا موقع ہے کہ میں جناب مالک رام کو ایسی کتابیں پیش کر رہا ہوں جو خاص طور پر ان کی یوم پیدائش کے موقع پر ان کو مبارکباد کے طور پر پیش کرنے کے لئے شائع کی گئی ہیں۔ ان کتابوں میں دنیا بھر کے ممتاز ادیبوں اور مستشرقین کے اردو اور انگریزی میں بصیرت افروز مضامین ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اردو، فارسی اور عربی زبانوں سے دلچسپی رکھنے والے حضرات ان کا شوق اور دلچسپی سے مطالعہ کریں گے۔ درحقیقت جناب مالک رام جیسے نامور محقق کو مبارکباد پیش کرنے کا یہ ایک موزوں اور مناسب طریقہ ہے۔

جناب مالک رام نے اردو ادب کی سائنسی تحقیق کی ترقی میں نمایاں حصہ لے کر اپنے لئے ایک خاص مقام بنا لیا ہے۔ ان کے تحقیقی کارنامے گوناگوں مضامین کی وسعت پر حاوی ہیں۔ غالب جیسے عظیم شاعر پر وہ ایک مسلمہ سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ جناب مالک رام کو سرگرم عمل اور مستعد دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس سے بھی زیادہ شوق اور خلوص کے جذبہ کے ساتھ وہ مستقبل میں ادب کی خدمت کرتے رہیں گے۔

حالیہ سالوں کے نمایاں واقعات میں سے ہندوستانی زبانوں کا ابھار بھی ایک واقعہ ہے۔ یہ زبانیں دیش میں اپنا اپنا مقام حاصل کر رہی ہیں اور خلوص و توجہ کے ساتھ ہم ان کو ایک ترقی پذیر اور نئے دیش میں سماج کی خدمت کا موثر ذریعہ بھی بنا سکتے ہیں۔ دانشوروں کا یہ فرض ہے کہ وہ قوم کے افراد کو ایک دوسرے سے قریب سے قریب تر لانے کی کوشش کرتے رہیں اور ان میں سماجی مقاصد کی عمل آوری کا جذبہ پیدا کر کے ان کی زندگی کو زیادہ قابل قدر بنائیں۔ ادب و فن کا مقصد قومی یکجہتی اور ہم آہنگی پیدا کرنے والے آلہ کے طور پر کام کرنا اور قوم کے افراد میں سماجی ذمہ داری اور قومی ترقی سے دلچسپی کا جذبہ ابھار دینا ہے۔ میں جناب مالک رام کو یہ کتابیں پیش کرنے میں واقعی بڑی خوشی محسوس کر رہا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ مدتوں تک بھارتی اتحاد اور اردو زبان کے لئے نتیجہ خیز خدمات انجام دیتے رہیں۔ جے ہند"

دوسرے دن ۱۷ر مارچ کو راجندر بھون میں ایک جلسہ ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر نور الحسن وزیر مملکت برائے تعلیم نے کی۔ جلسے میں کرنل زیدی، ڈاکٹر عابد حسین، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، علی جواد زیدی، ڈاکٹر پربھاکر ماچوے اور عابد رضا بیدار نے جناب مالک رام کی علمی خدمات پر روشنی ڈالی۔

• نامہ نگار

(صفحہ ۱۲ سے آگے)

حاصل نہیں ہے اور ہر جگہ اسے نہایت ہوشیاری، خوبصورتی اور فریب کے ساتھ ختم کیا جا رہا ہے۔ تو پھر اردو یونیورسٹی کے قیام کا منصوبہ کس برتے پر بنایا جا رہا ہے؟ ان حالات کے پیش نظر ایسا لگتا ہے کہ ہم ایک (UTOPIA) کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے تخیل کی فراوانی کا پتہ تو ضرور چلتا ہے، لیکن اس طرح کی خیالی جنت جب حقائق کے سنگ خارا سے ٹکراتی ہے، تو ٹوٹ کر پاش پاش ہو جاتی ہے اور یہی اس کا سب سے بڑا المیہ ہے۔

اسلوب احمد انصاری

میرا صفحہ

مشہور قومی کارکن ڈاکٹر فریدی نے حال ہی میں ایک بیان شائع کیا ہے، جس میں اس بات کا اعادہ کیا گیا ہے کہ وزیر اعظم نے اردو یونی ورسٹی کے قیام کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا جانا چاہیے۔ انھوں نے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ جب یوپی کے وزیر اعلیٰ مسٹر تریپاٹھی نے ان سے مجوزہ اردو یونی ورسٹی کا خاکہ طلب کیا، تو انھوں نے دس روز کے اندر اسے تیار کر کے ان کے سامنے پیش کر دیا۔ کاش ڈاکٹر فریدی اس قدر جوش اور جذبے اور اس درجے عجلت سے کام نہ لیتے بلکہ پورے مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے اور مجوزہ یونی ورسٹی کے تشکیل کے عواقب پر گہری نظر ڈالتے۔ کاش وہ وزیر اعلیٰ کے سامنے یہ مطالبہ رکھتے کہ اردو کو یو۔پی میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے، ابتدائی اور ثانوی مرحلوں پر اسکولوں میں اردو کی تدریس کا انتظام کیا جائے۔ ڈگری کالجوں میں اردو کے اساتذہ مقرر کئے جائیں۔ اسمبلی کے جلسوں کی کارروائی اردو میں بھی شائع کی جائے۔ عدالتوں اور دفتروں میں ہندی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی درخواستیں قبول کی جائیں اور ان کا جواب اردو میں دیا جائے، اور درس وتدریس کے لئے اردو میں کتابیں تیار کرائی جائیں۔ پنڈت آنند نرائن ملا نے جو حال میں قائم کی گئی اردو اکیڈمی کے سربراہ ہیں اپنے ایک بیان میں دوٹوک طریقے سے یہ بات کہی ہے کہ اردو والوں کا یہ مطالبہ کہ اردو کو دوسری سرکاری زبان بنا دیا جائے، یوپی کی حکومت کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ چلئے سارا قصہ ہی ختم ہوا۔ اردو تعلیم کے لئے جو سہولتیں اس صوبے میں فراہم کی گئی ہیں۔ ان کا حال کچھ ڈھکا چھپا نہیں ہے سہ لسانی فارمولے کے نفاذ کے سلسلے میں اردو کے جائز حق کو جس طرح پامال کیا گیا ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں ہے۔ ترقی اردو بورڈ کے زیر نگرانی تراجم کا منصوبہ جس رفتار سے عملی جامہ پہن رہا ہے، وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ کیا ان حقائق کے پیش نظر اردو یونی ورسٹی کے قیام کا خاکہ پیش کرنا خود اردو یونی ورسٹی کا خاکہ اڑانا نہیں ہے! سرسید سے زیادہ قوم کا خیر خواہ اور تعلیمی اور تہذیبی مسائل میں بلوغت نظر کا حامل اور دوسرا کون ہو سکتا ہے۔ لیکن اس بات سے کون واقف نہ ہوگا کہ انھوں نے جو شروع میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کو کلیتہً علوم مشرقیہ کا ادارہ بنانے کے حق میں تھے، بہت جلد اپنی رائے تبدیل کر دی، اور اسے مغربی طرز کی یونی ورسٹی بنانے پر کمر بستہ ہو گئے۔ کیونکہ ان کی دور رس نظر نے تاڑ لیا تھا کہ السنۂ شرقیہ کے حصول پر تکیہ کرنے سے نہ ذہن کے دریچے روشن ہو سکتے ہیں اور نہ معاش کی فراہمی کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ آج بھی اردو یونی ورسٹی کے قیام کے خلاف یہ دونوں دلیلیں اتنی ہی قوی ہیں، جتنی سرسید کے دور میں تھیں۔

آج کی دنیا میں آپ ذہنی کشادگی اور سائنس اور ہر طرح کے دوسرے علوم میں ترقی کے لئے مغربی زبانوں خصوصاً انگریزی سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ معاش حاصل کرنے کے لئے انگریزی اور ہندی سے اچھی واقفیت کے بغیر آپ کا کام نہیں چلے گا۔ ابتدائی اور ثانوی درجوں تک بھی تعلیم کے لئے آپ نے اب تک درسی کتابیں تیار نہیں کی ہیں۔ آپ اپنی انفرادی توجہ سے اپنے بچوں کو نجی طور پر بھی اردو کی تعلیم نہیں دلاتے اور حکومت سے مطالبہ آپ کا یہ ہے کہ اردو یونی ورسٹی قائم کی جائے۔ خدا کے لئے عقل کے ناخن لیجئے اور پہلے اپنے گھر میں نظم وضبط قائم کرنے کا ارادہ کیجئے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آپ عمارت کی تعمیر کے بارے میں سوچنے سے پہلے اس کی بنیاد پر غور کرنے کی ضرورت کیوں محسوس نہیں کرتے۔ اس کا جواب جو کثیر الحیل ہے، یہ دیا جاتا ہے کہ پہلے اردو یونی ورسٹی قائم ہو جائے، یہ فروعی مسائل حسب ضرورت، بعد میں طے ہوتے رہیں گے۔ بالفرض یہ مان بھی لیا جائے، کہ جب اردو یونی ورسٹی قائم ہو جائے گی، اس کے مختلف شعبوں کی تشکیل عمل میں آجائے گی، نصاب ترتیب دے لیا جائے گا، اور استاد مختلف علوم میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیں گے، تو کتابیں بھی تیار ہو جائیں گی۔ تب بھی وہی دو بنیادی سوال اپنی انتہائی بھیانک شکل میں ہمارے سامنے آکھڑے ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ جن بچوں نے ابتدائی اور ثانوی درجوں میں اردو کی ابجد بھی نہیں پڑھی، وہ یکایک یونی ورسٹی کی جماعتوں میں مختلف مضامین کی تعلیم اردو میں کس طرح حاصل کرنا شروع کر دیں گے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر کسی جادو ٹونے کے ذریعے ایسا ہو بھی گیا، تو پھر اردو میں سائنس، انجینئرنگ اور طب کی تعلیم حاصل کئے ہوئے یہ طالب ملازمتیں کہاں سے حاصل کریں گے۔ اردو میں تعلیم دینے اور تعلیم حاصل کرنے والے بہر کیف کسی جزیرے میں تو نہیں رہ سکتے۔ آپ کی اردو زبان کو مرکز تو کجا ریاستوں تک میں کہیں اعتبار کی جگہ

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

مالک انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) پرنٹر و پبلیشر سید تفضل حسین ایم اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا